اسماعیل دہلوی اور صراط مستقیم
ایک تحقیقی مطالعہ

از:
مفتی محمد صادق مصباحی
دارالعلوم سعید العلوم، یکما ڈپو، لکشمی پور، مہراج گنج

ناشر:
دارالکتب الحنفیہ، حیدر آباد، دکن

حامداً ومصلیاً ومسلما

شاہ اسماعیل دہلوی -جن کا تعلق ولی اللّٰہی خانوادے سے ہے- متحدہ ہندوستان کی اُس متنازع شخصیت کا نام ہے جسے ہندوستان کے اہل سنّت وجماعت میں تفرقہ پیدا کرنے کا مجرم اور وہابیت کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ درج ذیل سطور میں ہم نے اسماعیل دہلوی کی تالیف ''صراط مستقیم اردو'' کا ایک غیر جانب دارانہ مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور سنجیدگی سے اُن کے نظریات قارئین کی نظر کرتے ہوئے فیصلہ اہل حق کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے۔

کتاب ''صراط مستقیم'' ۱۲۳۳ھ میں تالیف کی گئی، جو سید احمد رائے بریلوی -اسماعیل دہلوی کے پیر ومرشد- کے افادات اور فرمودات کا احاطہ کرتی ہے، یہ کتاب ایک مقدمہ، چار باب، ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ چناں چہ شاہ صاحب مذکورہ کتاب کے صفحہ نمبر ۴ر پر لکھتے ہیں:
اس عاجز نے کتاب کے ہر دو حصہ کو املا کے بعد حضرت سید صاحب کے گوش گزار کر دیا، تاکہ مقصود غیر مقصود سے ممتاز ہو جائے .... اور اس کتاب کا نام ''صراط مستقیم'' رکھا ہے اور ایک مقدمہ، چار باب اور ایک خاتمہ پر اس کو مرتب کیا اور بابوں کو فصلوں پر اور فصلوں کو ہدایات پر اور ہدایات کو تمہیدات اور افادات پر تقسیم کیا(۱)۔

پوری کتاب تصوف وسلوک کے مضامین پر مشتمل ہے، ہر باب اور ہر ایک فصل پر تبصرہ ممکن نہیں، لہٰذا شاہ صاحب کے چند مخصوص نظریات پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، تاکہ مذکورۃ الصدر الزام کی حقیقت سمجھی جاسکے۔

● کیا انبیاے کرام ہمارے بڑے بھائی اور باپ کی طرح ہیں؟

شاہ صاحب بزرگان دین اور انبیاے کرام کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: ''پس ان بزرگوں اور انبیاے عظام -علیہم الصلاۃ والسلام- میں فرق صرف اتنا ہے کہ انبیا -علیہم السلام- امتوں کی طرف مبعوث ہوئے، اور بزرگ مظان حکم کو قائم کرتے ہیں، اور ان کو انبیا کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے، اور بڑے بیٹوں کو اپنے باپ سے نسبت ہوا کرتی ہے۔(۲)''

(۱) صراط مستقیم اردو، ص:۴، شاہ اسمٰعیل دہلوی، ادارۃ الرشید، دیوبند، ضلع سہارن پور۔
(۲) صراط مستقیم، ص:۵۔

مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ انبیا و اولیا کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں، اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ انبیاے کرام امتوں کی جانب بھیجے گئے، اور بزرگان وقت حکم کو قائم اور نافذ کرتے ہیں، اور یہ کہ انبیا و اولیا آپس میں چھوٹے اور بڑے بھائی اور بڑے بیٹے اور باپ کی طرح ہیں اور بس۔ یہی نہیں بلکہ اپنی ایک دوسری تصنیف میں شاہ صاحب یہاں تک کہہ گئے کہ انبیا و اولیا، اللہ کے بے بس بندے اور ہمارے بھائی ہیں۔ چناں چہ تقویۃ الایمان، ص: ۷۱، مکتبہ تھانوی، دیوبند، مطبوعہ ۱۹۸۴ء میں ہے: "تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، جو بہت بزرگ ہو؛ وہ بڑا بھائی ہے۔ اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرو، باقی سب کا مالک اللہ ہے، عبادت اسی کی کرنی چاہیے، معلوم ہوا کہ اللہ کے جتنے مقرب بندے ہیں خواہ انبیا یا اولیا ہوں؛ وہ سب اللہ کے بے بس بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں، مگر حق تعالیٰ نے انھیں بڑائی بخشی تو ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہوئے"۔

اب سوال یہ ہے کہ شاہ صاحب نے انبیا و اولیا کے درمیان موازنہ کی جو روش اختیار کی ہے، کیا یہ نظریہ اسلامی اصول و ضوابط کے مطابق ہے؟ کیا عوام و خواص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ انبیا کو اپنا بڑا بھائی یا باپ مان کر ان کی بڑے بھائی یا باپ کی سی تعظیم کریں؟ جب کہ قرآن حکیم رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- کو باپ کہنے سے منع کرتا ہے، اور رسول اللہ و خاتم النبیین کہنے کی تاکید فرماتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[1]۔

کیا توحید کی حفاظت کے نام پر نبوت و رسالت کی تحقیر درست ہے؟ کیا قرآن و حدیث اور آثار صحابہ و تابعین سے شاہ صاحب کے مذکوہ نظریہ کی تائید و توثیق ہوتی ہے؟

کچھ لوگ حضور رسالت مآب -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کی بشریت ثابت کرنے کے لیے سورۃ الکہف کی آیت مبارکہ، نمبر ۱۱۰/ر: ﴿قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ کا حوالہ دے کر بڑے طمطراق سے کہہ دیتے ہیں کہ دیکھو کہ حضور نے اپنے کو خود بشر کہا ہے، تو اگر ہم بھی حضور کو اپنا جیسا بشر اور بھائی مانتے ہیں تو اس میں مضائقہ کیا ہے؟

مگر جب قرآن پاک کی ان تمام آیات میں غور و فکر کیا جائے، جن میں انبیاے کرام کے

---

(۱) سورۃ الاحزاب، الآیۃ: ۳۹۔

لیے بشر کا لفظ آیا ہے تو ایک خوش گوار حیرت ہوتی ہے کہ جن مقامات پر کفار نے انبیاے کرام یا حضور کو اپنا جیسا بشر کہا ہے؛ اس سے ان کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ انبیا یا حضور اقدس حضرت آدم کی اولاد ہیں، اس لیے بھائی بھائی ہیں، بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ حیثیت و مرتبہ کے لحاظ سے وہ ایک معمولی انسان ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے بشر کہنے کے ساتھ ساتھ تحقیر و تنقیص کا کوئی نہ کوئی لاحقہ ضرور موجود ہے، مثلاً بشر ہونے کے ساتھ ایک معمولی آدمی ہیں، جادوگر ہیں، ہماری ہی طرح کھاتے پیتے ہیں، جھوٹے ہیں وغیرہ وغیرہ[۱]۔

مگر وہی لفظ بشر رب کائنات جب پیغمبر کی زبانی کہلواتا، تو نبوت و رسالت کے شایان شان کلمات بھی ساتھ ساتھ ہوتے ہیں، مثلاً پیغمبر بشر تو ہیں لیکن ایسے بشر جن کے پاس وحی آتی ہے ...... جن پر اللہ احسان فرماتا ہے ...... جو بشیر و نذیر ہیں ...... رحمۃ للعالمین ہیں ...... خاتم النبیین ہیں وغیرہ۔

معلوم ہوا کہ پیغمبر کو اپنی طرح محض بشر اور بڑا بھائی کہنا کفار کا طریقہ ہے، یہی وجہ ہے کہ عام مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ جب پیارے نبی کا نام لینا ہو تو ”صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ کہیں، یا درود و سلام کے کلمات کا ورد کریں؛ کیوں کہ اس سے غفلت باعث محرومی ہے۔

اب اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑا جاتا ہے کہ حضور اکرم -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- یا انبیاے کرام -علیہم السلام- کو بڑا بھائی کہنا کہاں تک درست ہے؟

● کیا اہل اللہ کی قبروں کی زیارت بدعت اور شرک ہے؟

شاہ صاحب کے نزدیک زیارت کے لیے دور دراز ملکوں سے سفر کرنا بدعت قبیحہ، شعار کفر اور باعث غضب الٰہی ہے، اور عام مؤمنین کو اس سے عظیم نقصان پہنچتا ہے۔ لکھتے ہیں: ”دور دراز کے ملکوں سے سفر کی بڑی بڑی مصیبتیں اٹھا کر اور رات دن کی تکلیفیں اور دکھ جھیل کر، اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کے واسطے آنا انھیں بدعات (قبیحہ) میں سے ہے....... اور یہ سفر ان کو شرک کے ظلمات اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وادی میں پہنچاتے ہیں، تاہم عوام اس سفر کو حج کے برابر بلکہ بعض وجوہ سے بہتر جانتے ہیں“[۲]۔

---

(۱) دیکھیے: سورۃ ابراہیم، آیت نمبر: ۱۰، سورۃ الانبیاء، آیت نمبر: ۳، سورۃ المؤمنون، آیت نمبر: ۲۴، ۳۳، ۳۴، سورۃ الشعراء، آیت نمبر: ۱۵۴، ۱۸۶، سورۃ یٰسین، آیت نمبر: ۱۵۔

(۲) صراط مستقیم، ص: ۷۰۔

متذکرہ بالا عبارت سے درج ذیل چیزیں ثابت ہوئیں: زیارت کے واسطے سفر کرنا بدعت اور ناجائز ہے۔ سفر زیارت زائرین کو شرک کی تاریکی میں پہنچا دیتا ہے۔ زائرین اللہ -عزوجل- کے غضب کی وادی میں پہنچ جاتے ہیں۔ عام مسلمانوں کو بڑا بھاری نقصان ہوتا ہے۔ عوام کی نظر میں زیارت قبر حج کے برابر بلکہ بعض وجوہ سے حج سے افضل ہے۔

یعنی شاہ صاحب کے نظریہ کے مطابق اولیاے کرام کی قبروں کی زیارت کرنے والوں کا نہ دین باقی رہتا ہے، نہ ایمان؛ کیوں کہ سفر کی وجہ سے یہ عمل مشرکانہ ہو جاتا ہے۔

اب آیئے دیکھیں کہ کیا مذہب اسلام میں قبروں کی زیارت مطلقاً ممنوع اور بدعت ہے یا اس کی اجازت بھی ہے۔ امام مسلم حضرت بریدہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے راوی ہیں:

قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ -صَلَى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ-: «كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَزُوْرُوْهَا» (۱).

ترجمہ: میں پہلے تم کو زیارت قبور سے منع کرتا تھا، اب قبر کی زیارت کیا کرو۔

صورت واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں تصور آخرت کو بڑا اہم مقام حاصل ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی موت اور اس کی تکلیفوں اور آخرت کو یاد کرتا رہے، اور زیارت قبر سے یہ تمام چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں، چناں چہ بعض دیگر روایات میں اس عظیم فائدہ کی جانب رہ نمائی فرمائی گئی ہے، جنھیں کتب احادیث میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث سے مطلقاً قبر کی زیارت کا حکم صادر ہوتا ہے، خواہ زائر تنہا قبر کی زیارت کرے، یا کچھ لوگ اکٹھا ہو کر یہ عمل انجام دیں، خواہ اس کے لیے سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے، دونوں طریقے جائز ہیں، اس زیارت کو دور دراز کے ملکوں اور تکلیفوں کی قیود سے مقید کر کے اسے شرک و بدعت گردا ننا، غضب الٰہی کا موجب قرار دینا، نقصان کا باعث جاننا سراسر زیادتی اور شریعت اسلامیہ پر اتہام ہے، جس کے بارے میں اللہ کے رسول -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- کی مشہور و متواتر حدیث ہے، جسے جملہ محدثین نے روایت کیا ہے:

«مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» (۲).

ترجمہ: جس نے جان بوجھ کر میری جانب ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی؛ اُس کا

(۱) مشکاۃ، کتاب الجنائز، ص:۲۲۶ و ص:۱۵۴۔

(۲) صحیح البخاری، باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حدیث:۱۰۷۔

ٹھکانہ جہنم ہے۔

خود رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- کا یہ مبارک عمل رہا ہے کہ آپ سال بہ سال شہداے اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے، انھیں سلام کرتے، اور فرماتے کہ آپ لوگوں پر سلام کہ آپ نے صبر کیا، اور آخرت کا گھر بہت خوب ہے (۱)۔

اب سوال یہ ہے کہ حضور -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- نے جب قبر کی زیارت کا عام حکم عطا فرمایا اور خود اُس پر عمل بھی کرتے رہے تو قولی وفعلی حدیث کے باوجود یہ عمل مشرکانہ اور بدعت کیسے ہو گیا؟ اس کے باعث نقصان ہونے کا کیا مطلب ہے؟ یہ ناجائز و حرام کیوں کر ہو سکتا ہے؟ حق وہ جو خود سر چڑھ کر بولے۔ چناں چہ شاہ صاحب اسی کتاب کے صفحہ ۱۷ پر لکھتے ہیں: ”القصہ اگرچہ صاف باطن لوگوں کو اولیاء اللہ کی قبروں کی طرف سفر کرنے سے کسی قدر فائدہ ہوتا ہے، مگر عام مؤمنوں کو اس سے اس قدر بھاری نقصان پہنچتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔

ذرا یہ تضاد بیانی ملاحظہ کیجیے کہ خواص کو تو زیارت سے کسی قدر فائدہ پہنچتا ہے، اگرچہ دور دراز سے سفر کرنے کے بعد زیارت نصیب ہو، مگر عامۂ مؤمنین کو اتنا عظیم خسارہ ہوتا ہے جو شاہ صاحب کے بقول بیان سے باہر ہے۔

کیا شریعت میں اس کی کوئی مثال ہے کہ ایک عمل کچھ لوگوں کے لیے باعث برکت ہو، موجب فائدہ ہو، اور بعینہ وہی عمل دوسروں کے لیے نہ صرف باعث زحمت، بلکہ شرک ہو، حرام و ناجائز ہو، غضب کی وادی میں پہنچانے والا ہو؟ فیصلہ قارئین کی عدالت کے حوالے۔

● کیا اہل قبور سے مدد مانگنا بدعت اور شرک ہے؟

الوہیت اور استحقاق عبادت میں کسی غیر کو خدا کا شریک کرنا یقیناً شرک ہے اور شرک ایک ناقابل معافی جرم ہے، لیکن اہل قبور (غیر اللہ) کے وسیلہ سے مدد مانگنا یا اُن سے حاجت کا طالب ہونا بھی شرک کے زمرے میں آتا ہے؟ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ مگر شاہ صاحب نے اسے بھی بدعت قبیحہ اور شرک قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں: ”اور من جملہ ان بدعات کے اہل قبور سے مدد مانگنا اور استعانت کرنا ہے کہ ان کو مطلق حاجت روا جان کر طلب اور آرزو میں شرک کی داد دیتے ہیں“۔

---

(۱) در منثور، ج:۴، ص:۵۸۔

واضح رہے کہ اعتقاد ایک امر باطن ہے، اور محض ظن وتخمین کی بنا پر بدگمانی گناہ اور حرام ہے۔قَالَ تَعَالیٰ: ﴿اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ﴾[1]۔

اور اس بات پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ غیر خدا کو مطلق اور بالذات نفع وضرر کا مالک سمجھنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ غیر اللہ اللہ کی عطا کے بغیر اپنی جانب سے کسی کو نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں، یقیناً شرک ہے۔اسی طرح جملہ اہل اسلام اس بات پر بھی متفق ہیں کہ غیر اللہ کو بالذات نفع وضرر کا مالک سمجھ کر سجدۂ عبادت کرنا شرک جلی ہے جس کی اجازت کبھی کسی ملت سماوی میں نہیں ہوئی۔ مگر عوام وخواص مؤمنین کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ وہ اللہ -عزوجل- کے بجائے قبر والوں کو ہی بالذات، مطلق حاجت روا مانتے ہیں، دعویٰ بلا دلیل ہے۔کسی مؤمن کے بارے میں یہ وہم وگمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ خدائے تعالیٰ کو حاجت روا نہ مانتا ہو، اور قبر والوں کو مطلق حاجت روا سمجھتا ہو، اور اگر کوئی جاہل ایسا اعتقاد رکھتا ہے تو یہ امر اس کے حق میں بدعت، حرام اور شرک ہے، نہ کہ ہر مؤمن کے بارے میں یہ حکم درست ہو سکتا، بلکہ اہل سنّت وجماعت جس توسل کے قائل ہیں؛ اس کا مطلب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے انبیا واولیا کے وسیلے سے کچھ طلب کرتے یا انبیا واولیا سے کچھ مانگتے ہیں، یہ مان کر کہ رب کائنات نے عام انسانوں پر فضل وانعام تقسیم کرنے پر انھیں مقرر کیا ہے، تو ان سے مانگنا اللہ تعالیٰ کے آگے ہی ہاتھ پھیلانا ہے اور اس طریقے کو شرک ٹھہرانا بلا وجہ مسلمانوں کو کافر ومشرک بنانا ہے۔طلب مغفرت کے لیے حضور -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- کی بارگاہ کی حاضری تو قرآن عظیم ﴿وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا[2]﴾ اور عمل صحابہ سے ثابت ہے[3]۔

اور یہ حکم آپ کی حیات مبارکہ تک ہی خاص نہیں، جیسا کہ امام طبرانی نے اپنے معجم کبیر میں ایک صحابی کا تذکرہ کیا ہے۔امام بیہقی نے مذکورہ حدیث عثمان بن حنیف سے روایت کی ہے، جس کے بارے میں امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں: ہمارا استدلال حضرت عثمان بن حنیف کی

(۱) سورۃ الحجرات، آیت نمبر: ۱۲۔

(۲) سورۃ النساء، آیت نمبر: ۶۴۔

(۳) دیکھیے: تقریب التہذیب، صفحہ: ۶۴۹، ومدارک علی ہامش، خازن، ج:۱، ص: ۳۹۹۔

اس سمجھ سے ہے کہ انھوں نے رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- کی حدیث سے آپ کی وفات کے بعد، آپ کو ندا اور آپ سے استمداد کو جائز سمجھا[1]۔

اس طرح کی متعدّد روایتیں پیش نظر ہیں، جن کی روشنی میں استمداد واستعانت کی دونوں صورتوں کا جواز ثابت ہوتا ہے، مگر شاہ صاحب نے ان دلائل سے صرف نظر کرتے ہوئے عامہ مسلمین کو مشرک وبدعتی بنانے کا جو بیڑا اٹھا رکھا ہے، اور انصاف ودیانت کے تقاضے کو سبوتاژ کرنے کی جو سعی بلیغ کی ہے؛ وہ کس حد تک درست ہے؟ اس کا فیصلہ قارئین خود کریں۔

• کیا قبروں پر چراغ جلانا حرام ہے؟

زائرین کی آسانی کے لیے قبر کے آس پاس روشنی کی جاتی ہے، خاص قبر کے اوپر چراغ جلانا تو جہالت وحماقت ہے اور اگر کوئی ایسا کرے تو ضرور اس سے مواخذہ کیا جائے گا، مگر عام زائرین کی سہولت کے پیش نظر روشنی کرنا، زائرین کی مدد کرنا، اور انھیں آرام پہنچانا بلا شبہہ ایک جائز عمل ہے، مگر شاہ صاحب کے یہاں یہ عمل نہ صرف یہ کہ بدعت بلکہ حرام اور باعث لعنت ہے۔ لکھتے ہیں:

”اور قبروں پر چراغوں کا روشن کرنا بھی جسے روشنی کہتے ہیں، انھیں بدعات میں سے ہے۔ یہ کام بے شک حرام ہے اور یہی لوگ ہیں جو معاذ اللہ اس کو لیلۃ القدر اور شب براءت کے انوار کے ظہور کے وقت کی طرح قبولیت کی ساعت جان کر اس وقت میں دعا کے منتظر رہتے ہیں“[2]۔

اس عبارت سے درج ذیل چیزوں کا انکشاف ہوتا ہے:

قبروں پر روشنی کرنا بدعت ہے۔ یہ کام حرام قطعی ہے۔ بدعتی اس وقت کو شب قدر اور شب براءت کی طرح قبولیت کا وقت جانتے ہیں، اور دعا کے منتظر رہتے ہیں۔

قبروں پر چراغ روشن کیے جانے کے بارے میں اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جا چکی۔ لیکن اگر زائرین کی آسانی کے پیش نظر روشنی کر دی جائے، تاکہ لوگ قبروں پہ جا کر ایصال ثواب کر سکیں تو یہ عمل بدعت اور حرام کیوں ہے؟ کیا سنّت کا ثبوت اس وقت ہوگا جب اندھیرے

(۱) وفاء الوفا، ج:۴، ص:۱۳۷۴۔

(۲) صراط مستقیم، ص:۲۷۔

میں ہی زیارت کی جائے؟ کیا کسی کو فائدہ پہچانا مطلقاً بدعت و حرام ہے؟ کیا یہ بدظنی درست ہے کہ لوگ چراغ روشن کرنے کے وقت کو شب قدر اور شب براءت سے افضل مانتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو اس کی کوئی دلیل اور سند بھی ہے؟ اور اگر نہیں تو پھر عام مؤمنین کے بارے میں ان سے دریافت کیے بغیر شاہ صاحب کو کیسے علم ہو گیا کہ وہ روشنی کے وقت دعا کو شب قدر اور شب براءت سے افضل مانتے ہیں؟ کیا رد بدعت کے نام پر دنیا کے تمام مسلمانوں کو بدعتی، مشرک اور مرتکب حرام قرار دینا اسلامی اصول واقدار کے منافی نہیں ہے؟ شاہ صاحب نے روشنی کرنے کو اولاً صرف بدعت و حرام قرار دیا، حالاں کہ یہ ان کے اصول واسلوب کے خلاف ہے؛ کیوں کہ جب تک وہ کسی عمل کو شرک اور کفر نہ قرار دیں، انھیں سکون میسر نہیں آتا، اس معاملے میں بھی پیچھے کیوں رہتے، چناں چہ اس کے اگلے صفحے پر ہی رقم طراز ہیں: ”حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ چور اور زانی کا ایمان چوری اور زنا کے وقت جدا ہو جاتا ہے، اور اس سے زیادہ تر دعا کرنے کے وقت ان لوگوں کا ایمان برباد ہو جاتا ہے، بلکہ اگر جہالت اور نادانی کا عذر نہ ہو تو صاف کافر ہو جاتے ہیں، اور جو شخص جاہل نہیں وہ تو ضرور کافر ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ شرعی حرام کو اس نے عمدہ عبادات سمجھا، حالاں کہ صرف حرام کو حلال جاننا کفر ہوتا ہے، چہ جائے کہ اس کو عبادت جانے“[1]۔

قارئین! دیکھ رہے ہیں آپ قلم کی جسارت؟ کس طرح سے امت مسلمہ کو بے ایمان ثابت کیا جا رہا ہے کہ دعا کرتے وقت ایمان برباد ہو جاتا ہے، عذر نہ ہو تو صاف کافر ہو جاتے ہیں، غیر جاہل بہر حال کافر ہو جاتا ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ اولاً وقت دعا کو کھینچ تان کر حرام قرار دیا گیا، وہ بھی حرام شرعی، پھر ایک مسلمہ قاعدہ کی روشنی میں ثابت کیا گیا کہ حرام کو حلال جاننے والا کافر، بس کیا تھا راستہ صاف ہو گیا، تو فوراً حکم جڑ دیا گیا کہ وہ تو ضرور کافر ہو جاتا ہے۔ العیاذ باللہ!

توحید کی حفاظت کے نام پر عامہ مسلمین کی تکفیر کا شاہ صاحب نے شاید ٹھیکہ لے رکھا ہے۔

• کیا مروجہ نذر و نیاز شرک ہے؟

فوت شدہ مُردوں کو ایصال ثواب کرنا متعدّد احادیث سے ثابت ہے، جس کے جواز پر

(۱) صراط مستقیم، ص:۸۹۔

تقریباً سبھی کلمہ گو متفق ہیں، اگر کچھ لوگوں کو اعتراض ہے تو اس بات پر کہ وقت متعیّن کر کے یہ کام کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ چوں کہ ایصال ثواب میں کبھی قرآن خوانی وغیرہ کر کے اس کا ثواب مُردے کو بخش دیا جاتا ہے اور کبھی غریبوں، حاجت مندوں کو کھانا وغیرہ بھی کھلایا جاتا ہے، بزرگوں کے نام ایصال ثواب کو نذر و نیاز سے تعبیر کیا جاتا ہے، کبھی نذر کے نام پر کوئی جانور بھی ذبح کر دیا جاتا ہے، چوں کہ یہ تمام صورتیں ایصال ثواب کی ہیں، اور ایصال ثواب کے لیے شرعاً کسی ہیئت اور وقت کی تعیین وارد نہیں ہے، لہذا اپنی اصل کی وجہ سے عامۂ مسلمین اس کو جائز، مستحسن اور کار ثواب جانتے ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک بھی ''اموات کی فاتحوں، اور عرسوں، اور نذر و نیاز سے اس قدر امر کی خوبی میں کچھ شک و شبہہ نہیں''[1]۔

اور اس امر کی اصل ان کے نزدیک بھی ''بہت عمدہ اور حکم شرع کے موافق ہے''[2]۔

کھانے وغیرہ کے ذریعہ فاتحہ خوانی بھی افضل و بہتر ہے۔ (اور یہ بھی گمان نہ کریں کہ فوت شدہ لوگوں کو طعام سے فائدہ پہنچانا، اور ان کی فاتحہ خوانی ٹھیک نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ کام تو بہت بہتر اور افضل ہے[3]۔ لیکن عوام کی دخل اندازی کی وجہ سے یہ موافق شرع کام ان کے نزدیک شرک خفی، اسراف، بدعت، پھر سب سے اعلیٰ شرک ہو گیا۔ لکھتے ہیں:

''اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کا اس طور پر ادا کرنا شرک خفی اور اسراف اور کئی طرح کی بدعتیں اس میں پیدا ہو جائیں، صوفی شعار مشرکوں کی ان بدعات میں سے ہے جو اہل اسلام کے خاص وعام میں، بلکہ اکثروں میں نہایت درجہ کی مشہور ہو چکی ہے اور ان سب سے اعلیٰ شرک ہے جو کہ مثلاً حضرت سید احمد کبیر -قدس اللہ سرہ- کی گائے کے ذبح کرنے کے وقت ان دنوں اس ملک کے عوام سے دیکھی جاتی ہے''[4]۔

قباحت کے مرتبوں میں تفاوت بہت ہے، صرف تعیین ہی التزام مالا یلزم کی قسم سے ہے اور وقت کی تعیین کی وجہ سے بہت سے خلل کیا دینی، دنیوی پیش آتے ہیں اور خالص نیت باقی نہیں رہتی، اکثر اوقات میں تو مطلقاً عبادت کی نیت بھی نہیں ہوتی[5]۔

---

(۱) صراط مستقیم، ص:۶۷۔

(۲) صراط مستقیم، ص:۶۷۔

(۳) صراط مستقیم، ص:۸۹۔

(۴) صراط مستقیم، ص:۶۷۔

(۵) صراط مستقیم، ص:۶۷۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ: ”جو عمل اہل اسلام کے خواص وعام، بلکہ اکثروں میں حد درجہ مشہور ہے“، ”سب سے اعلیٰ شرک ہے“ قرار پارہا ہے۔ اور صرف آسانی کے لیے وقت متعیّن دینا کر دینا دینی ودنیاوی خلل کا باعث ہوا جارہا ہے۔ اسی پر بس نہیں شاہ صاحب کا قلم جب اپنی جولانیت پر آجائے تو انھیں یہ لکھنے میں بھی کوئی جھجھک محسوس نہیں ہوتی کہ: ”نذر ونیاز کی رسم اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ طعام وغیرہ کی نذر سے گذر کر جانوروں کی جانوں کو نیاز کرتے ہیں، اور ان کے ذبح کرنے میں غیر خدا -جل شانہ- کی خوشنودی کا ارادہ کرکے حدیث شریف: "لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ" کے مطابق ملعون ہوتے ہیں، اور بقول اکثر علما یہ لعنت کفر کی وجہ سے ہے، پس کفر کے کام کو عبادت جاننا کس درجہ کی خرابی ہوگی!، اور اصل میں بات تو یوں ہے کہ جو لوگ نذر ونیاز میں نافرمانیوں اور کفر کا ارتکاب کرتے ہیں، ان کو ثواب پہنچانا منظور نہیں، بلکہ وہ تو شرک کرتے ہیں“[1]۔

پتا نہیں شاہ صاحب کے پاس ایسا کون سا آلہ ہے جس کی بدولت وہ لوگوں کی نیتوں سے بھی واقف ہو جاتے ہیں، انھیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ایصال ثواب کے لیے جو جانور ذبح کیا گیا؛ اُس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، بلکہ فلاں بزرگ کا نام لے کر اُسے ذبح کیا گیا ہے، انھیں اس کا بھی علم ہو جاتا ہے کہ نذر ونیاز کے نام پر لوگ نافرمانیوں اور کفر کا ارتکاب کر رہے ہیں، شرک کر رہے ہیں، ثواب پہنچانا اُن کا مقصد نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب حدیث شریف کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص غیر اللہ (بت وغیرہ) کا نام لے کر یا غیر اللہ کی بھینٹ چڑھانے کی غرض سے جانور ذبح کرے؛ وہ ملعون ہے، جیسا کہ کفار مکہ کیا کرتے تھے اور ہندو قوم آج بھی اپنے دیوی دیوتاؤں کے نام پر جانوروں کی بھینٹ چڑھاتی ہے، لیکن اگر کسی مہمان کی آمد کی خوشی میں، اس کی ضیافت کے پیش نظر، خدا کا نام لے کر جانور ذبح کیا جائے تو کیا اس پر بھی یہی حکم نافذ ہوگا کہ غیر خدا کی خوشنودی کا ارادہ کیا گیا ہے، لہٰذا ذبح کرنے والا ملعون، کافر اور مشرک ہے اور ذبیحہ حرام ہے؟ اگر اس طرح کا فتویٰ صادر کیا جاتا رہا تو شاید دنیا مسلمانوں سے خالی ہو جائے۔

(۱) صراط مستقیم، ص:۸۷۔

اب آئیے ذرا نذر کی حقیقت پر ایک نظر ڈال لی جائے، علما کی تصریح کے مطابق نذر شرعی ایک عبادت مقصودہ اور عبادات واجبہ کی جنس سے ہے، جیسے کوئی شخص نماز، روزہ، صدقہ، حج، اعتکاف وغیرہ عبادات مقصودہ واجبہ کی نذر مانے[1]۔

قرآن حکیم میں نذر پورا کرنے کا حکم ہے: ﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾[2]۔

ترجمہ: وہ اپنی نذروں کو پوری کریں۔

صحیح یہ ہے کہ عبادت کی نذر کو پورا کرنا لازم اور معصیت کی نذر کو پورا کرنا معصیت کی نوعیت کے اعتبار سے گناہ ہے، یعنی حرام کی نذر حرام، مکروہ کی نذر مکروہ، اور مباح کی نذر کو پورا کرنا لازم و واجب نہیں۔

مذکورہ بیان سے ثابت ہوا کہ نذر عبادت ہے، اور غیر خدا کی عبادت جائز نہیں، لہذا غیر اللہ -اولیاے عظام وغیرہ- کی نذر کو بھی ناجائز اور حرام ہونا چاہیے، اس سلسلے میں علما کے اقوال مختلف نظر آتے ہیں، در مختار، رد المحتار، فتاویٰ عالم گیری وغیرہ کتب فقہ کی تصریحات کے مطابق ”فوت شدہ لوگوں کی نذر ماننا اور اولیاء اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کے مزارات پر روپے، پیسے، موم بتیاں اور تیل وغیرہ لے جانا بالاجماع باطل اور حرام ہے، اور اگر نذر ماننے والے کا یہ گمان ہے کہ اشیا میں اللہ تعالیٰ کا نہیں، بلکہ میت کا تصرف ہے تو یہ اعتقاد کفر ہے۔ ہاں! اگر ان چیزوں کو فقرا و مساکین پر خرچ کرنے کا قصد ہو تو اس کی اجازت ہے، مثلاً: نذر ماننے والا خالصاً اللہ کے لیے نذر مانے، اور یوں عرض کرے: خداوندا! یہ نذر تیرے واسطے ہے، اگر میری فلاں حاجت پوری ہو جائے گی تو فلاں درگاہ کے فقرا کی خدمت کروں گا، یہ نذر جائز ہے[3]۔

اس سلسلے میں شاہ صاحب کے استاذ گرامی اور عم محترم شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی -علیہ الرحمہ- کی توجیہ مجھے بے حد پسند آئی، ان کے نزدیک اولیاء اللہ کی مروجہ نذر، نذر شرعی نہیں، بلکہ نذر بمعنیٰ نذرانہ اور ہدیہ ہے، جسے نذر لغوی کہا جاتا ہے، اور جس نذر کو فقہا نے اولیاء اللہ کے

(۱) دیکھیے: در مختار علی ہامش رد المحتار، جلد: ۳، ص: ۹۱، مطبوعہ عثمانیہ، استنبول۔

(۲) سورۃ الحج، آیت نمبر: ۲۹۔

(۳) دیکھیے: در مختار علی ہامش رد المحتار، ج: ۲، ص: ۱۷۵، رد المحتار، ج: ۲، ص: ۱۷۵، فتاویٰ عالم گیری، ج: ۱، ص: ۲۱۶، مطبوعہ مصر۔

لیے ناجائز قرار دیا ہے؛ وہ نذر شرعی ہے۔ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

"قضائے حاجات کے لیے اولیاء اللہ کی جو نذر معروف اور مروج ہے، اکثر فقہا اس کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکے، انھوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کی نذر پر قیاس کر کے یہ کہا ہے کہ اگر ولی کے لیے بالاستقلال نذر ہو تو باطل ہے، اور اگر نذر اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، اور ولی کا ذکر صرف بیان مصرف کے لیے ہو تو جائز ہے، لیکن اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ میت کی روح کو طعام کا ہدیہ پہنچانا امر مسنون ہے، اور یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، جیسا کہ حضرت سعد کی والدہ کا ذکر صحیحین میں ہے۔ اس نذر کا خلاصہ یہ ہے کہ فلاں ولی کی طرف اتنی چیز کے ثواب کی نسبت ہے، اور ولی کا ذکر نذر شدہ عمل کی تعین کے لیے ہے، مصرف کے ذکر کے لیے نہیں ہے، نذر کرنے والے کے نزدیک اس نذر کا مصرف اُس ولی کے متعلقین، قرابت دار، خدام اور اہل طریقت ہوتے ہیں، اور نذر کرنے والوں کا یہی مقصود ہوتا ہے۔ اس نذر کا حکم یہ ہے کہ اس کو پورا کرنا صحیح ہے؛ کیوں کہ یہ عبادت مقصودہ ہے۔ ہاں! اگر اس ولی کو بالاستقلال حلات مشکلات سمجھتا ہو، یا اس کے شفیع غالب ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو تو یہ شرک ہے اور ایسی نذر ناجائز ہے"[۱]۔

قارئین! استاذ و شاگرد دونوں کے نظریات کا موازنہ کیجیے، پھر فیصلہ کیجیے کہ حق کس جانب ہے۔

• کیا خدا اور بندگان خدا برابر ہو سکتے ہیں؟

اللہ رب العزت کی ذات بہت بلند و بالا ہے، وہ یکتا اور بے مثل ہے، اُس کی ذات و صفات میں کوئی اُس کا شریک نہیں، وہ سارے جہان کا خالق و مالک ہے، اُس کی تمام صفات لامحدود اور غیر متناہی ہیں، جو شخص کسی مخلوق کو اللہ کی ذات یا صفات میں شریک سمجھے؛ وہ دائرۂ اسلام سے خارج، مشرک و بے دین ہے، اللہ رب العزت نے اپنی مخلوق سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے، مگر یہ تمام فضیلتیں اور کرامتیں محض باعطائے الٰہی ہیں، اس بنا پر اگر کوئی اللہ کے کسی مخصوص بندے کی تعریف و توصیف کرتا ہے تو حقیقت میں یہ خدا ہی کی تعریف و توصیف ہے کہ اصل تعریف کا مستحق وہی ہے۔ اگر کوئی بندۂ مؤمن کسی برگزیدہ بندے کی تعریف کرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس بزرگ اور اللہ رب العزت کے مقام و مرتبہ میں برابری کا قائل

---

(۱) فتاویٰ عزیزی، ج:۱، ص:۱۲۸۔

ہے، مگر حیرت ہوتی ہے کہ شاہ صاحب عامۂ مسلمین کے بارے میں کسی قدر بدگمان ہیں، لکھتے ہیں:

"بعض تو خدائے تعالیٰ اور بزرگوں کو تقرب اور رضا جوئی کے مرتبہ میں مساوی جانتے ہیں، اور انھیں بعض لوگوں کے حال کا یہ بیان ہے: "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ"[1]. یعنی بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنا کر اللہ کی طرح ان سے پیار کرتے ہیں، اور ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ہی بڑھ کر محبت رکھتے ہیں اور بعض تو ان بزرگوں کو اللہ تعالیٰ پر ترجیح دیتے ہیں اور بعض ان کو مستقل طور پر حاجت روا سمجھ کر جل شانہ کے دربار میں دعا کرنے سے بے پروا ہو جاتے ہیں"[2]۔

انسان کو اگر کچھ بولنے یا لکھنے پر قدرت حاصل ہو جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو چاہے بولے، اور جو جی میں آئے لکھے، بلکہ اس کے بھی کچھ حدود و قیود ہیں، مگر شاہ صاحب ان بندشوں کے قائل نہیں، وہ اپنے آپ کو ہر قید سے آزاد سمجھتے ہیں، یہی تو وجہ ہے کہ اللہ کے مؤمن بندے ان کے گمان کے مطابق تقرب و رضا جوئی میں بزرگوں کو خدائے تعالیٰ کے مساوی جانتے ہیں، اور شہادت کے طور پر قرآن شریف کی ایک آیت بھی پیش کرتے ہیں، جب کہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت مقدسہ میں ﴿مِنَ النَّاسِ﴾ سے مشرکین مکہ اور بت پرست کفار مراد ہیں، جس کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں ﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ کا کلمہ وارد ہے، مگر شاہ صاحب کا مقصد صرف یہ ہے کہ کسی طرح سے اہل ایمان کو مشرک ثابت کیا جا سکے۔ ان سب کے باوجود شاہ صاحب کا یہ فرمان آج تک سمجھ میں نہ آیا: "بعض تو ان بزرگوں کو اللہ پر ترجیح دیتے ہیں" کا کیا مطلب ہے؟ جب اللہ رب العزت کی ذات و صفات غیر متناہی اور لا محدود ہیں یعنی ان کی کوئی حد اور انتہا نہیں، تو پھر بزرگوں کو اللہ پر ترجیح دینے کے کیا معنیٰ ہیں؟ یا کم از کم مساوات کا ثبوت کیسے ممکن ہے؟ کیا نعوذ باللہ! شاہ صاحب کے پاس کوئی خفیہ آلہ ہے جس سے مراتب کی پیمائش ہو سکتی ہو یا اس سے یہ معلومات ہوتی ہو کہ بعض ان بزرگوں کو مستقل

(۱) سورۃ البقرۃ، آیت نمبر: ۱۶۵۔
(۲) صراط مستقیم، ص: ۷۹۔

طور پر حاجت روا سمجھتے ہیں؟ فیصلہ قارئین کی صواب دید پر۔

• کیا نماز میں وسوسہ سے نمازی کافر ہو جاتا ہے؟

نماز تمام عبادتوں میں سب سے اہم اور افضل عبادت ہے، جس میں خشوع و خضوع ایک ضروری امر ہے، چوں کہ یہ سب سے اعلیٰ اور کثیر الوقوع عبادت ہے، اس لیے نفس اور شیطان دونوں نماز میں سب سے زیادہ خلل انداز ہوتے ہیں، شیطان نمازی کے دل میں وسوسے ڈال کر خلل اندازی کرتا ہے، مثلاً نماز میں سستی اور لا پرواہی کرانا، قیام، رکوع اور سجود وغیرہ مسنون طریقے پر ادانہ کرنے دینا وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ شرع میں وسوسہ سے حفاظت کا طریقہ بتایا گیا ہے، اور اگر بھول چوک سے نماز میں کسی واجب کا ترک لازم آئے تو سجدۂ سہو کا حکم دیا گیا، جیسا کہ امام ترمذی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- سے روایت کیا: ایک بار حضور -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہو گئے، قعدہ نہ فرمایا، پھر سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا۔

ان سب تصریحات کے باوجود کہیں اس امر کی وضاحت نظر سے نہیں گزری کہ وسوسہ نمازی کو کفر تک پہنچا دیتا ہے، اور محض وسوسہ کی وجہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، مگر شاہ صاحب وسوسہ کو بھی سبب کفر گردانتے ہیں، رقم طراز ہیں:

"اور یہ وسوسہ فرض کے استخفاف اور انکار کی وجہ سے بہت جلدی کفر تک پہنچا دیتا ہے، اور آدمی کو کافر کر دیتا ہے"[1]۔

شوق تکفیر ملاحظہ فرمائیے اور شاہ صاحب کے ذوق کی داد دیجیے، اگر نمازی فرض کا منکر ہو، اور وہ نماز کو ہلکا سمجھتا ہو، تو اُسے نماز پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیا اس بھری دنیا میں ایسا بھی کوئی مؤمن ہو گا جو نماز تو ادا کرتا ہو، مگر ساتھ ساتھ وہ نماز کی فرضیت کا منکر بھی ہو؟ نماز کو ہلکا اور بے قدر بھی سمجھتا ہو؟ رہا وسوسہ تو یہ انسانی فطرت ہے، اس سے کما حقہ وہی نفوس قدسیہ محفوظ ہیں جن کی حفاظت وصیانت اللہ رب العزت نے اپنے ذمۂ کرم پر اٹھا رکھی ہے۔

• کیا نماز میں رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- کا خیال آجانے سے نمازی مشرک ہو جاتا ہے؟

اللہ رب العزت -جل شانہ- کی وحدانیت پر ایمان لانے کے بعد رسول اللہ -صلی اللہ

(۱) صراط مستقیم، ص:۱۶۱۔

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم-کی رسالت کا اقرار اور آپ کی تعظیم و توقیر ایمان کا اہم جز ہے؛ کیوں کہ آپ باعث تخلیق کائنات ہیں، قرآن آپ کا اخلاق ہے، اللہ تعالیٰ نے طٰہٰ، یٰسٓ، مزمل، مدثر، رسول اللہ، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، یاایھا النبی، یاایھا الرسول جیسے جلیل القدر القاب سے آپ کو یاد فرمایا، آپ کی بعثت مبارکہ کو مؤمنین کے لیے احسان عظیم فرمایا، آپ کو خیر کثیر عطا فرماکر قاسم نعمت بنایا، لواء الحمد عطا فرمایا، کلمۂ طیبہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" میں جہاں ایک طرف اللہ-عزوجل-کی الوہیت کا ذکر ہے، وہیں دوسری جانب محمد عربی روحی فداہ کی رسالت کا بھی بیان ہے، آپ کی محبت جان ایمان ہے، آدمی جب تک اپنی جان و مال، آل واولاد، احباب واقارب سے زیادہ آپ کو محبوب نہ جانے؛ اس کے ایمان کو کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔

سچ کہا ہے کہنے والے نے:

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں — اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

آپ کی شان میں ادنیٰ گستاخی سے آدمی کافر و مرتد ہوجاتا ہے، وہ بھی ایسا مرتد کہ بہت سے علما کے نزدیک دنیا میں اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی، اس کی سزا صرف اور صرف قتل ہے۔

ایک جانب پوری امت مسلمہ کے یہ متفقہ عقائد ہیں، اور دوسری جانب شاہ صاحب کا وہ منفرد نظریہ ہے جسے نقل کرتے ہوئے ہاتھ کانپ جاتا ہے، دل بیٹھنے لگتا ہے، کلیجہ منھ کو آنے لگتا ہے، ہمت جواب دینے لگتی ہے، اور کیوں نہ ہو کہ بارگاہ رسالت وہ بارگاہ ہے:

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

ملاحظہ فرمائیے! نماز میں غیر اللہ کا خیال آجانے کی کیسی منظر کشی کی گئی ہے، لکھتے ہیں:

”زنا کے وسوسہ سے اپنی بی بی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے، اور شیخ یا اس جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب-صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم-ہی ہوں، اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بُرا ہے“[۱]۔

اسے قلم کی آوارگی کہیں یا جراءت رندانہ؟ ہمت ہو تو مذکورہ جملے دل پر پتھر رکھ ایک بار پھر پڑھیے اور پھر دل پر ہاتھ رکھ کر جواب دیجیے کہ مذکورہ جملے گستاخی سے لبریز ہیں یا نہیں؟ سید المرسلین کی معصوم شخصیت کا موازنہ بیل اور گدھے سے کرنا کون سا ایمان کا حصہ ہے؟ وہ بھی

(۱) صراط مستقیم، ص:۱۱۸۔

بیل اور گدھے کا نماز میں تصور اتنا بُرا نہیں جتنا کہ -نعوذ باللہ- سید المرسلین کا خیال بُرا ہے، اگر دنیا سے انصاف کا جنازہ نہیں اٹھ گیا ہے تو بتایا جائے کہ حفاظت توحید کے لیے تنقیص رسالت شرط ہے؟ جیسا کہ اہل تشیع کے یہاں محبت علی کا مطلب ہے عداوت صحابہ و تنقیص خلفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

کیا اس طرح کی بھونڈی تاویل کر دینے سے کہ: "شیخ کا خیال تو تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ جاتا ہے، اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے، اور نہ تعظیم، بلکہ حقیر اور ذلیل ہوتا ہے، اور غیر کی تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو؛ وہ شرک کی طرف کھینچ کے لے جاتی ہے[1]" آدمی بری الذمہ ہو سکتا ہے؟ کیا رسالت مآب -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- کا خیال نماز میں آجائے تو نمازی مشرک ہو جاتا ہے؟ تشہد جو نماز کے واجبات سے ہے، اور بقول شاہ صاحب: "نماز کے قعود کو عبادت سے خالی نہ چھوڑ کر اسے اس تشہد کے پڑھنے کا حکم ملا جو نہایت ہی تعظیمی اقوال پر مشتمل ہے"[2]۔

کیا اس تشہد میں اللہ کے لیے تحیات، صلوت اور طیبات کے ساتھ نبی رحمت، بلکہ اللہ کے نیک بندوں پر سلام و رحمت اور مغفرت کا ذکر نہیں؟ اگر ہے تو سلام و رحمت کا تعلق تعظیم سے ہے یا تحقیر سے؟ اگر تعظیم سے متعلق ہے تو نمازی "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" پڑھنے کی صورت میں اپنے دل میں کون سا خیال لائے؟ ظاہر سی بات ہے کہ سلام، نبی پر بھیجا جا رہا ہے تو لامحالہ نبی کا خیال آئے گا ہی، اب اگر یہ خیال تعظیم کے ساتھ آتا ہے تو بقول شاہ صاحب: "غیر کی یہ تعظیم جو نماز میں ملحوظ ہو؛ وہ شرک کی طرف کھینچ کے لے جاتی ہے" یعنی نمازی مشرک ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ خیال تعظیم کے بجائے حقارت و ذلت کے ساتھ آتا ہے تو کیا نبی کی تحقیر و تذلیل درست ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جنھوں نے تقریباً دو صدیوں سے امت مسلمہ کو اضطراب و پریشانی میں مبتلا کر رکھا ہے، بحث و مباحثے ہوئے، مناظرے کے اسٹیج سجائے گئے، بے جا تاویلیں کی گئیں، فریق مخالف کی پگڑیاں اچھالی گئیں، مگر افسوس کہ توبہ کا آسان دروازہ اپنے اوپر بند کر لیا گیا۔

(۱) صراط مستقیم، ص:۱۱۸۔
(۲) صراط مستقیم، ص:۱۲۶۔

قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ شاہ صاحب کے بقول رسالت مآب -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- کا نماز میں خیال آیا جانا بیل اور گدھے کی صورت میں ڈوب جانے سے برا ہے۔ (نعوذ باللہ تعالیٰ!) لیکن جب بات آجائے اپنے پیر و مرشد کی توان کی شان میں کس طرح قصیدہ خوانی کی جاتی ہے، کچھ اقتباسات حاضر خدمت ہیں، انہیں بھی ملاحظہ کرتے چلیں، لکھتے ہیں:

(۱) ''اس کم ترین (محمد اسماعیل) پر خدائے تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں، اور سب سے بڑی نعمت ہادی زمانہ، مرشد یگانہ، حضرت سید احمد صاحب کی محفل ہدایت منزل میں حاضر ہوتا ہے''[۱]۔

(۲) ''مولانا عبد الحی -دام اللہ برکاتہ- جو حضرت سید صاحب (کے) بارگاہ عالی کے ملازموں کے ملک میں منسلک ہیں''[۲]۔

(۳) ''چوں کہ آپ (سید صاحب) کی ذات والا صفات ابتدائے فطرت سے رسالت مآب -علیہ افضل الصلوۃ والتسلیمات- کی کمال مشابہت پر پیدا کی گئی تھی، اِس لیے آپ کی لوح فطرت علوم رسمیہ کے نقش اور تحریر وتقریر کے دانش مندوں کی راہ وروش سے خالی تھی، -یعنی پڑھے لکھے نہیں تھے، اس کے باوجود- آپ کی زبان برکت نشان سے صادر ہوئے کلمات الخ''[۳]۔

اگر بار خاطر نہ ہو تو درج ذیل تراشے بھی ملاحظہ فرمالیں:

''جاننا چاہیے کہ آں حضرت (سید احمد رائے بریلوی) کی جبلت ابتدائے فطرت سے کمال طریق نبوت پر اجمالاً مجبول تھی .... القصہ جبلی طہارت کے آثار آپ کی طبیعت کی تہ میں ظاہر تھے، اور سعادت ازلیہ کے انوار آپ کی جبین مبارک میں روشن تھے، تا آں کہ سعادت کے خزانوں کی کنجی جس کی مدد سے ہر دو فریق یعنی طریق نبوت اور طریق ولایت کے بند دروازے کھل جائیں، آپ کے ہاتھ آگئی''[۴]۔

شاہ صاحب نے کتاب کے متفرق مقامات کے علاوہ خاتمہ کے تقریباً پانچ صفحات اپنے پیر

---

(۱) صراط مستقیم، ص:۳۔
(۲) صراط مستقیم، ص:۳۔
(۳) صراط مستقیم، ص:۴۔
(۴) صراط مستقیم، ص:۲۲۰۔

و مرشد کے نام نذر کر دیے ہیں، جن میں عجیب و غریب واقعات اور معاملات درج ہیں، کچھ دل چسپ معاملات معذرت کے ساتھ پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، انھیں ضرور پڑھیے، لکھتے ہیں:

”پے در پے بے شمار واقعات وقوع میں آئے، یہاں تک کہ ایک دن حضرت حق جل وعلا نے آپ (سید احمد) کا داہنا ہاتھ خاص اپنے دست قدرت میں پکڑ لیا اور کوئی چیز امور قدسیہ سے جو کہ نہایت رفیع و بدیع تھی، آپ کے سامنے کر کے فرمایا: ہم نے تجھے ایسی چیز عنایت کی ہے اور اور چیزیں بھی عطا کریں گے، تا آں کہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر بیعت کی درخواست کی اور نہایت الحاح و اصرار کیا، پھر آپ اجازت کے لیے جناب حق میں متوجہ ہوئے، اور عرض کیا کہ بندگان درگاہ سے ایک بندہ اس امر کی درخواست کرتا ہے کہ مجھ سے بیعت کرے اور آپ (خداے تعالیٰ) نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے، اور اس جہان میں جو کوئی کسی کا ہاتھ پکڑتا ہے؛ ہمیشہ دست گیری کی پاس کرتا ہے، پس اس معاملہ میں کیا منظور ہے؟ اُس طرف سے حکم ہوا کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا، اگرچہ وہ لکھوکھا (لاکھوں) ہی کیوں نہ ہوں، ہم ہر ایک کو کفایت کریں گے“(۱)۔

”حضرت سید صاحب کو تینوں طریقوں یعنی قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ کی نسبت مبادی سے پہلے حاصل ہو گئی، لیکن نسبت قادریہ اور نقشبندیہ کا بیان تو اس طرح ہے کہ حضرت مولانا عبدالعزیز کی سعت برکت اور توجہات کے یُمن سے جناب حضرت غوث الثقلین، اور جناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی روح مقدس آپ کے متوجہ حال ہوئیں اور قریبًا عرصہ ایک ماہ تک آپ کے حق میں ہر دو روح مقدس کے مابین فی الجملہ تنازع رہا؛ کیوں کہ ہر ایک ان دونوں عالی مقام اماموں میں سے اس امر کا تقاضا کرتا تھا کہ آپ کو بتمامہ اپنی طرف جذب کرے۔ تا آں کہ تنازع کا زمانہ گزرنے، اور شرکت پر صلح کے واقع ہونے کے بعد ایک دن ہر دو مقدس رو میں آپ پر جلوہ گر ہوئیں، اور قریبًا ایک پہر کے عرصہ تک وہ دونوں امام آپ کے نفس نفیس پر توجہ قوی اور پر زور اثر ڈالتے رہے۔ پس اسی ایک پہر میں ہر دو طریقہ کی نسبت آپ کو نصیب ہوئی“(۲)۔

---

(۱) صراط مستقیم ملخصًا، ص:۲۲۲۔

(۲) صراط مستقیم، ص:۲۲۳۔

ان دلچسپ واردات پر کوئی تبصرہ کیے بغیر ہم قارئین کی عدالت میں یہ استغاثہ دائر کرتے ہیں کہ پیر و مرشد کی شان میں جو مبالغہ آمیز توصیفی کلمات ادا کیے گئے، قصیدہ خوانی کی گئی، جس درجہ حسن ادب کا التزام ملحوظ رکھا گیا؛ یہ سارے آداب اور ادب و احترام کے طور طریقے بارگاہ رسالت -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- میں آکر فراموش کیوں کر دیے جاتے ہیں؟ رسالت مآب -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- کی مشابہت پر جنم لینے والے پیر و مرشد کے ہاتھ میں سعادت کے خزانوں کی کنجی جس سے طریق نبوت وولایت کے بند دروازے کھولے جائیں، خود بخود حاصل ہو جائے، اور جس کا نام محمد یا علی ہے؛ وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہ ہو؟ یہ کون سی منطق ہے؟ نماز میں نبی کا خیال آجائے تو نماز فاسد، نمازی مشرک، اور بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے والا، بلکہ اس سے بدتر، اور پیر و مرشد کی تعظیم و تکریم کمال ایمان قرار پائے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اہل اللہ کی قبروں کی زیارت شرک وبدعت قرار پائے، انھیں پکارنا شرک محض ہو، اور اہل اللہ کی مقدس روحیں شاہ صاحب کے پیر و مرشد کے متوجہ حال ہوں، جلوہ گر ہوں، اور آپس میں جھگڑا کریں اور پرزور اثر بھی ڈالیں، پھر بھی توحید میں فرق نہ آئے؟ یہ کون سا معمہ ہے؟

قارئین! شاہ صاحب کے یہ وہ منفرد نظریات تھے جن میں انھوں نے سواد اعظم اہل سنّت وجماعت سے انحراف کیا، معتقدات میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کی پیروی کی، نجدیوں کی طرح امت مسلمہ کو کافر اور مشرک گردانا، اہل سنّت کے معمولات اور مراسم کی پُرزور مخالفت کی، جس کی بنا پر انھیں اگر ہندوستانی وہابیت کا بانی کہا جاتا ہے اور اہل سنّت کا شیرازہ منتشر کرنے والا مانا جاتا ہے تو اس میں حرج کیا ہے؟